IQBAL REVIEW (67: 3)
(July – September 2026)
ISSN(P): 0021-0773
ISSN(E): 3006-9130

اقبال اور حرفِ کُن فَیَکُون — ایک فکری و تحقیقی مطالعہ

Iqbal and the Divine Command "Kun Fayakūn": An Intellectual and Research Study

زید حسین
پی ایچ ڈی سکالر (اُردو)
یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

ABSTRACT

This study examines the Qur'anic concept of "*Kun Fayakun*" ("Be, and it is") and its practical, spiritual, and civilizational significance in the thought of Allama Muhammad Iqbal. In the Qur'an, the expression signifies the absolute sovereignty, creative power, and irresistible will of God, through which existence comes into being without dependence on material means or intermediary causes. The article first surveys the principal Qur'anic occurrences of the phrase and identifies their shared emphasis on divine omnipotence, creation, resurrection, and the fulfilment of God's decree. It then analyzes Iqbal's reinterpretation of this concept within his philosophy of *khudi*, human freedom, creativity, and vicegerency.

The study argues that Iqbal does not transfer the divine attribute of creation to humanity in an absolute sense; rather, he presents human creativity as a God-given reflection of divine command. As *Khalifat Allah*, the human being is entrusted with moral responsibility, freedom of

will, purposeful action, and the capacity to reshape the self, society, history, and civilization. Through close reading of Iqbal's Urdu and Persian poetry and selected passages from *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, the article demonstrates that "*Kun Fayakun*" becomes, in Iqbal's thought, a symbol of dynamic becoming, continuous creation, self-realization, innovation, and transformative action.

The findings show that Iqbal considers life to be essentially creative, progressive, and opposed to passivity, repetition, and stagnation. The awakened ego, strengthened by faith, love, knowledge, struggle, and moral discipline, can convert vision into achievement and possibility into actuality. At the collective level, a spiritually awakened community may become an agent of historical renewal by rejecting false authorities, affirming divine sovereignty, and creating just cultural and social forms. The study concludes that Iqbal's interpretation of "*Kun Fayakun*" offers a powerful framework for individual development, communal revival, and civilizational reconstruction in response to the challenges of modernity today.

Keywords:
Allama Iqbal, Creative Evolution, Destiny, Divine Sovereignty, Khudi (Selfhood), Kun Fayaqun, Vicegerency (*Khilafah*).

قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس حقیقت بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے ''کُن'' (ہو جا) اور وہ لمحے بھر میں ''فیکون'' (ہو جاتا) ہے۔ یہ مختصر سا لفظ ''کُن'' دراصل پوری کائنات کا سرچشمہ ہے۔ قرآنِ حکیم کی اصطلاح ''کن فیکون'' اسلامی تعلیمات میں خدائی تخلیقی قوت کے سب سے گہرے اور جامع اظہاروں میں سے ایک ہے۔ اس حرفِ کن نے اپنے اندر ازل سے ابد تک زندگی کے پُراسرار رازوں کو سمیٹ رکھا ہے۔ یہ ربِ ذوالجلال کی تخلیقی قوت، ارادۂ مطلق اور حکمِ قاطع کی علامت ہے، جس کے آگے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ سب اسباب اس کے ارادے کے تابع اور سب وسائل اس کی مرضی کے محتاج ہیں۔ اُسے کسی اور وسیلے یا ذریعے کی ضرورت نہیں ہوتی، صرف کہہ دیتا ہے ''ہو جا'' اور وہ چیز تخلیق کے عمل میں آجاتی ہے۔

علماء نے کن فیکون کو خدائی قدرت اور تخلیق کی فوری تاثیر کے ثبوت کے طور پر بیان کیا ہے جبکہ جدید مفکرین خصوصاً علامہ محمد اقبال نے اس تصور کو انسانی تخلیقی قوت اور تہذیبی احیاء کے ساتھ جوڑا ہے۔ اقبال نے اس قرآنی تصور کو نہ صرف بیان کیا بلکہ اسے انسانی کردار اور عمل سے جوڑ کر ایک نئی معنویت عطا کی اور انسان کو یہ پیغام دیا کہ اگرچہ ''کن فیکون'' خالصتاً خدائی صفت ہے مگر انسان میں بھی اللہ کے اذن سے تخلیقی قوت اور ارادہ ودیعت کیا گیا ہے۔ اقبال اسے انسانی وجود کے ساتھ جوڑ کر اسے انسانی زندگی کے لیے ایک تحریک اور رہنمائی کا ذریعہ بنایا۔ چنانچہ اس مطالعے کے بنیادی مقاصد یہ ہیں:

۱- قرآن مجید میں کن فیکون کے استعمال کا جائزہ
۲- اقبال کے فکر میں کن فیکون کے مضمرات کا تجزیہ
۳- کُن فیکون اور انسان کا تخلیقی کردار
۴- فرد اور ملت کی زندگی میں اس کے اطلاقات کی وضاحت

قرآن مجید میں 'کن فیکون' کا استعمال

قرآنِ مجید میں کن فیکون آٹھ مقامات پر وارد ہوا ہے، اور ہر مقام پر اس کا سیاق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور تخلیقی قوت کے متعلق ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

وہی آسمانوں اور زمین کو وجود میں لانے والا ہے اور جب کسی چیز کے (تخلیق) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف یہی کہتا ہے کہ 'ہو جا' پس وہ ہو جاتی ہے۔ (القرآن ۲:۱۱۷)

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

بولی اے میرے رب میرے بچہ کہاں سے ہو گا مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ نہ لگایا، فرمایا اللہ یوں ہی پیدا کرتا ہے جو چاہے، جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے۔ (القرآن ۳:۴۷)

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے جسے اللہ نے مٹی سے بنایا پھر اسے فرمایا: ہو جا تو وہ فوراً ہو گیا۔ (القرآن ۳:۵۹)

وَ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَ یَوْمَ یَقُوْلُ كُنْ فَیَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَ لَهُ الْمُلْكُ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ

اور وہی (اللہ) ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق (پر مبنی تدبیر) کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور جس دن وہ فرمائے گا: ہو جا، تو وہ (روزِ محشر بپا) ہو جائے گا۔ اس کا فرمان حق ہے اور اس دن اسی کی بادشاہی ہو گی جب (اسرافیل کے ذریعے) صور میں پھونک ماری جائے گی، (وہی) ہر پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے اور وہی بڑا حکمت والا خبردار ہے۔ (القرآن ۶:۷۳)

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۠

ہمارا فرمان تو کسی چیز کے لئے صرف اِسی قدر ہوتا ہے کہ جب ہم اُس (کو وجود میں لانے) کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم اُسے فرماتے ہیں: "ہو جا" پس وہ ہو جاتی ہے۔ (القرآن ۱۶:۴۰)

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

یہ اللہ کی شان نہیں کہ وہ (کسی کو اپنا) بیٹا بنائے، وہ (اس سے) پاک ہے، جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو اسے صرف یہی حکم دیتا ہے: "ہو جا" بس وہ ہو جاتا ہے۔ (القرآن ۱۹:۳۵)

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْــٴًـا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

اس کا امر (تخلیق) فقط یہ ہے کہ جب وہ کسی شے کو (پیدا فرمانا) چاہتا ہے تو اسے فرماتا ہے: ہو جا، پس وہ فوراً (موجود یا ظاہر) ہو جاتی ہے (اور ہوتی چلی جاتی ہے)۔ (القرآن ۳۶:۸۲)

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ

وہی ہے جو زندگی دیتا ہے اور موت دیتا ہے پھر جب وہ کسی کام کا فیصلہ فرماتا ہے تو صرف اسے فرما دیتا ہے: ہو جا۔ پس وہ ہو جاتا ہے۔(القرآن ۴۰:۶۸)

یہ تمام آیات درج ذیل بنیادی اصولوں کو واضح کرتی ہے:

۱. اللہ کا مطلق ارادہ

۲. بغیر کسی واسطے کے تخلیق

اقبال کے فکر میں کن فیکون کے مضمرات کا تجزیہ

اقبال انسان کو بطورِ خلیفۃ اللہ حرفِ کُن کی بازگشت قرار دیتے ہیں۔ انسان کی تخلیقی قوت "کُن" کا پرتُو ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو پیدا کیا تو اپنی روح اس کے اندر پھونکی۔ جس کے نتیجے میں انسان کو زمین پر نیابت و نمائندگی کا اعزاز عطا کیا گیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے:

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي (القرآن ۳۸:۷۲)

تاکہ وہ اس نظمِ کائنات میں تبدیلی، بہتری اور ارتقاء لانے کا سبب بنے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (القرآن ۲:۳۰)

خلیفہ کا مطلب ہے "جانشین" یا "نمائندہ"، یعنی انسان کو یہ اعزاز بخشا گیا ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ صلاحیتیں کا مظہر ہے۔ یہ وہ فطری جوہر ہیں جو انسان کو تخلیق کرنے کی قوت بخشتا ہے۔

بہ قول اقبال:

ضمیر کن فکان غیر از تو کس نیست
نشان بی نشان غیر از تو کس نیست
قدم بیباک تر نہ در رہ زیست
بہ پہنای جہان غیر از تو کس نیست[1]

اس جہاں میں "ضمیر کن فکان" تیرے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ بے نشان کا نشان تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔ زندگی کی راہ میں اپنا قدم بے خوف رکھ۔ ساری دنیا کی وسعتوں میں تیرے سوا کوئی نہیں ہے۔

یہ وہی قوت ہے جو انسان کو تخلیق، ایجاد اور کن فیکون کی معنویت سے جوڑتی ہے اور اس میں خلاقی جوہر کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اگر انسان کی خودی بیدار ہو، عشقِ حقیقی سے معمور ہو اور جد وجہد سے

صیقل ہو تو اس کے وجود سے بھی حرفِ ''کُن'' کی بازگشت سنائی دینے لگتی ہے۔ اقبال کے نزدیک کُن فَیَکُون صرف کائنات کے آغاز کی کہانی نہیں بلکہ انسان کے اندر پوشیدہ وہ طاقت ہے جو اس کے خوابوں کو حقیقت اور اس کی خواہشوں کو امکانات میں بدل سکتی ہے۔ انسان کو ذوقِ خدائی بخشا گیا ہے اور صرف خلیفہ ہی نہیں بنایا بلکہ اس پر ''امانت''(ذمہ داری) بھی عائد کی ہے۔ قرآن میں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ (القرآن ۷۲:۳۳)

یہ امانت دراصل اللہ کی صفات کو عملی زندگی میں برتنے کی ذمہ داری ہے۔ اگر انسان اپنے کردار، علم اور عمل سے اللہ کی صفات (جیسے تخلیق، عدل، حکمت) کو دنیا میں نافذ کرے، تو وہ ''کُن فَیَکُون'' کے معانی پر عمل پیرا ہے۔

بہ قولِ اقبال:

از کن حق ما سوا شد آشکار
تا شود پیکان تو سندان گزار [۲]

حق تعالیٰ کے حکمِ کُن سے یہ تمام کائنات وجود میں آئی، تاکہ تیرا تیر اتنا مضبوط، تیز اور مؤثر بن جائے کہ لوہار کی مضبوط سندان (لوہے کا وہ سخت بلاک جس پر رکھ کر لوہا کوٹا جاتا ہے) کو بھی چیر دے۔

اقبال انسانی دل کو ''حرفِ کن''کا آئینہ قرار دیتے ہیں۔ عام انسان سمجھتا ہے کہ دل محض خون کا لوتھڑا ہے، مگر اقبال کے نزدیک دل ''خاک و خون''کا محتاج نہیں وہ تو ''حرفِ کُن'' کے طلسم میں شریک ایک روحانی جوہر ہے۔ یعنی وہی تخلیقی قوت جو خالقِ کائنات کے ''کُن'' سے عالمِ وجود میں جلوہ گر ہوئی، انسان کے دل میں بھی کسی نہ کسی درجے میں کارفرما ہے۔ اس میں خلاقی جوہر کی جھلک پائی جاتی ہے۔ یہ وہی قوت ہے جو انسان کو تخلیق، ایجاد اور کن فیکون کی معنویت سے جوڑتی ہے۔ بہ قول اقبال:

تو میگوئی کہ دل از خاک و خون است
گرفتار طلسم کاف و نون است
دل ما گرچہ اندر سینۂ ماست
ولیکن از جہان ما برون است [۳]

اقبال کے نزدیک "کُن" صرف خدا کی تخلیقی صفت کا اظہار نہیں بلکہ انسان کے لیے بھی ایک فکری سبق ہے۔ اگرچہ حقیقی "کُن" صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے لیکن اللہ نے انسان کو اپنی نیابت عطا کر کے اسے ایسا ارادہ، اختیار اور تخلیقی صلاحیت دی ہے کہ وہ دنیا میں نئی قدریں، نئی تہذیب اور نئے امکانات پیدا کر سکتا ہے۔ انسان، جو "قائم باللہ" ہے، اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے نئی دنیاؤں کی تخلیق کا اہل ہے۔ اس تخلیقی قوت کو انسان بروئے کار لا کر بہتر سے بہتر چیزیں ایجاد و تخلیق کر سکتا ہے۔ اقبال اپنے خطبے میں فرماتے ہیں کہ

> When attracted by the forces around him, man has the power to shape and direct them; when thwarted by them, he has the capacity to build a much vaster world in the depths of his own inner being, wherein he discovers sources of infinite joy and inspiration. Hard his lot and frail his being, like a rose-leaf, yet no form of reality is so powerful, so inspiring, and so beautiful as the spirit of man! Thus in his inmost being man, as conceived by the Qur'an, is a creative activity, an ascending spirit who, in his onward march, rises from one state of being to another:
> *But, Nay! I swear by the sunset's redness and by the night and its gatherings and by the moon when at her full, that from state to state shall ye be surely carried onward* (84: 16- 19).[4]

اقبال فرماتے ہیں:

چون جهان کهنه شود پاک- بسوزند او را
و ز همان آب و گل ایجاد جهان نیز کنند[۵]

جب جہان پرانا ہو جاتا ہے (خرابیوں سے بھر جاتا ہے) تو مردِ مومن اسے پوری طرح جلا دیتے ہیں اور پھر وہ اسی پانی اور مٹی سے ایک نیا جہان تعمیر کر لیتے ہیں۔

صوفی غلام مصطفیٰ تبسم صد شعر اقبال میں اقبال کے درج ذیل شعر کی تشریح یوں کرتے ہیں:

ما ز تخلیق مقاصد زنده ایم
از شعاع آرزو تابنده ایم[۶]

خدائے عزوجل، اس کائنات کا خالق ہے اور اقبال کے نزدیک اس کی ذات اقدس ایک نفس خلاق ہے۔ اس نے انسان کو تخلیق کیا اور اپنے جیسا ایک ایسا نفس بنایا جو خود بھی تخلیق کرتا ہے۔ انسان، صفات الٰہیہ کا حامل ہوتے ہوئے اپنے خالق کی طرح، اس کائنات میں، اپنی تخلیقات سے نہ صرف اضافہ کرتا ہے بلکہ اس کی تہذیب و تزئین بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ اقبال اس جذبہ تخلیق میں، مقاصد کی تخلیق کو بنیادی قرار

دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم اپنے مقاصد سے زندہ ہیں۔ زندگی میں اگر کوئی مقصد، کوئی مدعا نہ ہو تو زندگی مردہ ہو کر رہ جائے۔ اسی مقصد اور مدعا کے حاصل کرنے کے لئے انسان کے دل میں آرزو پیدا ہوتی ہے اور اس آرزو کی تڑپ، اسے جستجو پر مجبور کرتی ہے اور اس طرح آرزو اور جستجو کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ایک نصب العین کے حاصل ہونے پر ایک دوسرا بلند تر نصیب العین سامنے آجاتا ہے اور انسان کی بے تابیاں برقرار رہتی ہیں۔[7]

کُن فیکون اور انسان کا تخلیقی کردار

جب انسان کے دل سے تخلیقی عمل کی محبت، شوق اور جذبہ ختم ہو جائے تو اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ تخلیقی ذوق ہی وہ محرک ہے جو انسان کو نئی ایجادات کی طرف لے کر جاتا ہے اور اس کی زندگی کو معنی بخشتا ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی کی بقا اور ترقی کا راز تخلیق اور ایجاد کے عمل میں پوشیدہ ہے اور جب انسان اس راستے کو ترک کر دیتا ہے، تو وہ اپنی اصل سے غافل ہو جاتا ہے۔

ذوق ایجاد و نمود از دل رود
آدمی از خویشتن غافل رود[8]

اقبال کے نزدیک انسان کی تمام تر رفعت، اس کی تمام تر بلندی در حقیقت اس کے ضمیر میں پنہاں ہے۔ جو اپنے ارادے سے تاریخ کے دھارے کو موڑ دینے کی قوت رکھتا ہے۔ یہی "ضمیرِ کن فکاں" در حقیقت انسان کو فرشتوں سے بھی بلند کر دیتی ہے، کیونکہ فرشتے محض مامور ہیں جبکہ انسان "مختار" اور "تخلیق کار" بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ وہ تخلیقی قوت ہے جس کے بل پر وہ ناممکن کو ممکن، خواب کو حقیقت اور فنا کو بقا میں بدل سکتا ہے۔ انسان کا ضمیر دراصل وہ روحانی آلہ کار ہے جو اسے محض ایک مادی وجود سے بلند کر کے اسے خلیفۃ اللہ کے عظیم منصب پر فائز کر دیتا ہے۔

اپنی دنیا آپ- پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے[9]

اقبال کے نزدیک "کُن" صرف نظریاتی نعرہ نہیں بلکہ ایک تخلیقی قوت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے۔ جس طرح اللہ کا ارادہ تخلیق کا سبب بنتا ہے، اسی طرح انسان کا عزم اور ارادہ اس کی تقدیر

بدل سکتا ہے۔ انسان، اگر خودی کا شعور حاصل کر لے، تو وہ بھی ”کُن فیَکُون“ کی کیفیت سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔یعنی انسان کا مقام اس کے عمل سے طے ہوتا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی خودی کو پہچانے، اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور معاشرے کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کرے۔ اگر وہ خلیفۃ اللہ کے فرائض کو پورا کرتا ہے تو وہ ”کُن فیَکُون“ کی روح پر عمل پیرا ہے، ورنہ وہ اپنی عظمت کھو دیتا ہے۔ جب انسان اپنی خودی کو مستحکم کرتا ہے، جب وہ عشقِ حقیقی، جدوجہد، علم اور بصیرت کے راستے پر چلتا ہے تو اس کی شخصیت ایسی قوت حاصل کر لیتی ہے جو نظامِ فطرت میں تبدیلی لا سکتی ہے۔ ان کے نزدیک تخلیق زندگی کا جوہر ہے۔ وہ فرد جو ”کُن“ کی قوت سے بہرہ مند ہے، وہ زمان و مکان کی قید سے بلند ہو کر نئی قدریں وضع کرتا ہے۔

بہ قول حافظ شیرازی:

رسد ز چرخ عطارد هزار تهنیت
چو فکرتت صفت امر کن فکان گیرد[۱۰]

تجھے عطارد (علم و حکمت کا سیارہ) آسمان سے ہزاروں مبارکباد دے جب تیری فکر، امر ”کن فیکون“ کی صفت اختیار کر لیتی ہے۔

اقبال کے نزدیک جب انسان اپنی خودی کو پہچان لیتا ہے تو وہی ”کن فیکون“ کی صدا اس کے عمل اور تخلیق میں جلوہ گر ہونے لگتی ہے۔ پھر وہ مٹی کو سونا بنانے والا کیمیا گر بنتا ہے، صحرا کو گلزار میں بدل دیتا ہے اور تاریخ کے دھارے کو نئی سمت دے دیتا ہے۔

تُو رازِ کن فکاں ہے، اپنی انکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا[۱۱]

”رازِ کن“ سے مراد وہی تخلیقی قوت ہے جو خالق نے اپنی مشیت سے انسان کو ودیعت کی۔ مگر اس راز تک رسائی تبھی ممکن ہے جب انسان اپنی آنکھوں سے اپنی حقیقت کو پہچان لے، اپنی خودی کے بھیدوں کو سمجھے اور پھر دنیا میں خدا کے ارادے کا ترجمان بنے۔ ”خدا کا ترجماں ہونا“ اس امر کی علامت ہے کہ انسان زمین پر خدا کے تخلیقی امر کا مظہر اور ترجمان ہے۔ جس طرح ”کُن“ سے کائنات وجود میں آئی، اسی طرح اقبال انسان کو اس بات کا اہل دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے اندر تخلیقی عمل کو بیدار کرے اور دنیا میں قوتِ ایجاد کو ظاہر کرے۔

انسان محض کائنات کا مشاہدہ کرنے والا یا اس کے حقائق کو ذہنی تصورات میں محفوظ کرنے والا وجود نہیں، بلکہ وہ خدا کی عطا کردہ قوتِ ارادہ اور تخلیقی صلاحیت کے ذریعے دنیا کی تعمیر، اصلاح اور تجدید میں شریک ہوتا ہے۔ اسی فکری پس منظر میں اقبال واضح کرتے ہیں کہ خودی کی تکمیل محض فکری ارتقا سے نہیں بلکہ ایک ایسے زندہ، متحرک اور مسلسل عمل سے ہوتی ہے جو انسان کے باطن کو گہرائی بخشتا اور اس کے ارادے کو تخلیقی یقین سے ہم کنار کر دیتا ہے۔

اس حقیقت کو اقبال نے *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> The final act is not an intellectual act, but a vital act which deepens the whole being of the ego, and sharpens his will with the creative assurance that the world is not something to be merely seen or known through concepts, but something to be made and re made by continuous action.[12]

کن فیکون محض ماضی کا واقعہ نہیں بلکہ انسان کی خودی میں ودیعت ایک زندہ قوت ہے۔ انسان کی سب سے بڑی فضیلت، اس کے سر کا تاج، اس کا وہ ضمیر ہے جو "کن فیکون" کی صفت سے متصف ہے۔ اقبال کے نزدیک حقیقت کی اصل ماہیت حرکت، تجدد اور تخلیق ہے، نہ کہ سکون، تکرار اور جمود۔ اس لیے انسان بھی، جو اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور صاحبِ خودی ہے، محض اس تخلیقی نظام کا خاموش تماشائی نہیں بلکہ اپنی آزادیِ ارادہ، قوتِ تخلیق اور مسلسل عمل کے ذریعے اس جاری عملِ تخلیق میں شریک ہوتا ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی کی حقیقت کو میکانکی قوانین، جبری تعینات یا محض مادی اصولوں کے ذریعے نہیں سمجھا جا سکتا، کیونکہ زندگی کا جوہر اختیار اور مسلسل ابداع ہے۔ یہی وہ فکری زاویہ ہے جس کے ذریعے اقبال قرآنی تصورِ "کُن فَیَکُون" کو ایک زندہ، ارتقائی اور تخلیقی منہج کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو انہوں نے *The Reconstruction of Religious Thought in Islam* میں نہایت بصیرت افروز انداز میں بیان کیا ہے:

> Reality is original, giving birth to what is absolutely novel and unforeseeable. 'Everyday doth some new work employ Him', says the Qur'an. To exist in real time is not to be bound by the fetters of serial time, but to create it from moment to moment and to be absolutely free and original in creation. In fact, all creative activity is free activity. Creation is opposed to repetition which is a characteristic of

mechanical action. That is why it is impossible to explain the creative activity of life in terms of mechanism.[13]

یہی اس کی زندگی کی حقیقت اور راز ہے۔ بہ قولِ رومی:

جہانِ عقلِ روشن را مددھا از صفات آید
صفاتِ ذاتِ خلاقی کہ شاہِ کُن فکَانستی[۱۴]

عقل اگرچہ روشنی کا سرچشمہ ہے لیکن اس کی حقیقی قوت اور فیضان صفاتِ الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ صفات اُس ذاتِ خلاق (پیدا کرنے والی ہستی) کی ہیں، جو "کن فیکون" کہہ کر وجود بخشنے والا کا بادشاہ ہے۔

اقبال کے نزدیک مردِ مومن میں "کُن فیَکُون" کا جوہر پوری طرح موجود ہے۔ وہ مردِ مومن کو ایسا انسان سمجھتے ہیں جو خدا کے امرِ تخلیق کا مظہر بن جاتا ہے۔ ان کے نزدیک مردِ مومن وہی ہے جو فطرت کے اصولوں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ بشریت کا سفر افلاک تک محدود نہیں، بلکہ وہ نیابتِ الٰہی کے ذریعے کائنات پر تصرف حاصل کر سکتی ہے۔ کائنات ایک جاری تخلیقی عمل ہے، جو انسان کو مسلسل دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر "کن فیکون" کی بازگشت کا حصہ بنے۔ بقول رومی:

دست حق باید مر آن را ای فلان
کو بود بر ھر محالی کن فکان[۱۵]

اے انسان! وہی شخص حق کا ہاتھ بننے کے قابل ہے۔ جو ہر ناممکن پر "کُن فیَکُون" کی تاثیر رکھتا ہو۔

اقبال اپنے خطبے میں فرماتے ہیں:

It is the lot of man to share in the deeper aspirations of the universe around him and to shape his own destiny as well as that of the universe, now by adjusting himself to its forces, now by putting the whole of his energy to mould its forces to his own ends and purposes. And in this process of progressive change God becomes a co-worker with him, provided man takes the initiative.[16]

اقبال کے نزدیک "کن فیکون" کا فیض ایک ایسی تخلیقی حقیقت ہے جو ہمارے محسوساتی زمان و مکان کی قید سے بالا ہے۔ خدا کے تخلیقی امر سے وجود میں آنے والی حقیقت صرف مادی جہان تک محدود نہیں بلکہ لامکانی و لازمانی وسعتوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ نیابتِ الٰہی کے منصب پر فائز ہونے والا انسان اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ وہ اس جہان کو صرف حواس کے آئینے میں نہیں دیکھتا بلکہ دل کی آنکھ سے پہچانتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ اس عالم کی اصل ایک اور "کُن فیَکُون" سے وابستہ ہے، ایک ایسی حقیقت سے جو

فنا سے ماوراہے، جو ہر لحظہ نئے جلووں میں ظاہر ہوتی ہے، اور جس کا جمال ہر لمحہ تازہ و نو نظر آتا ہے۔ یہی وہ جہان ہے جو وہم سے بالاتر ہے مگر نظر میں آ جاتا ہے؛ جو زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے مگر دل کی گرفت میں سما جاتا ہے۔

اندر آن عالم جہانے دیگرے
اصل او از کن فکانے دیگرے[۱۷]

اس جہان کا ایک اور عالم ہے اور اس کی اصل ایک اور "کن فکاں" سے ہے

فرد اور ملت کی زندگی میں اس کے اطلاقات کی وضاحت

انسان صرف ایک مجبور یا ساکت مخلوق نہیں ہے جو موجودہ حالات کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ اگر موجودہ نظام، معاشرہ یا دنیا فرسودہ اور غیر فعال ہو چکی ہے، تو انسان کا کام محض شکایت کرنا نہیں بلکہ اپنے تخلیقی قوت سے پرانی دنیا کو ختم کر کے ایک نئی دنیا وجود میں لانا ہے۔ اگر انسان کو یہ دنیا اپنے عزائم اور صلاحیتوں کے اظہار کے لیے ناکافی لگے تو اقبال کے نزدیک، اس کا فرض ہے کہ وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے اور ایک نئی دنیا تعمیر کرے۔

گفتند جہان ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن[۱۸]

رب تعالیٰ پوچھا کہ کیا میرا جہان تیرے مزاج کے مطابق ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں! تو رب تعالیٰ نے کہا کہ پھر اسے تہہ و بالا کر کے اپنی منشاء و مرضی کے مطابق نیا جہان بنالو۔

اقبال انسان کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے اندر تخلیقی قوت بیدار کرے اور ایک نیا جہان تخلیق کرے کیونکہ تخلیقات ایک ایسی روحانی اور فکری آگ ہے جو انسان کو نیا راستہ دکھاتی اور اس کی شخصیت کو نئی جہتوں سے روشناس کراتی ہے

خیز و خلاق جہان تازہ شو
شعلہ در بر کن خلیل آوازہ شو[۱۹]

انسان کی اصل تخلیقی قوت اسی "کن فیکون" کے فیضان سے وابستہ ہے۔ اقبال اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں کہ کائنات ابھی نامکمل ہے، اس کے اندر نئی تخلیق اور نئی صورت گری کی گنجائش باقی ہے۔ اور یہی انسان کی اصل ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تخلیقی قوت کو بروئے کار لائے اور دنیا کو نیا جہان عطا

کرے۔ اقبال کے نزدیک "خودی" محض انا یا ذات نہیں بلکہ وہ الٰہی جوہر ہے جسے پہچان کر انسان خدا کی تخلیقی طاقت کا مظہر بن جاتا ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کُن فیکوں[۲۰]

زندگی کی اصل یہ ہے کہ یہ ساکت و جامد نہیں بلکہ متحرک اور تخلیقی ہے۔ جس طرح کائنات کے وجود کی بنیاد "کن" پر ہے، اسی طرح انسانی زندگی بھی اسی امر کے باطن کی ایک جھلک ہے۔ انسان کو یہ قوت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ اپنی محنت، عمل اور خودی کے ذریعے اپنی دنیا آپ پیدا کرے۔ وہ فرد کو ایک فعال تخلیقی ہستی کے طور پر دیکھتے ہیں جو خدا کی تخلیقی سنت کا عکس اپنے اندر رکھتا ہے۔

اقبال یہ نکتہ اجاگر کرتے ہیں کہ جب انسان اپنی خودی کو عشق سے بلند کر لیتا ہے تو اس کی تخلیق، اس کی آواز اور اس کا فن بھی حرفِ "کن" کی بازگشت بن جاتے ہیں۔ خودی جب بلند ہو جاتی ہے تو انسان کے قول و فعل میں وہی تخلیقی قوت ظاہر ہوتی ہے جو خدا کے امر کن میں ہے۔ بندہ مومن کا ہاتھ خدا کا ہاتھ بن جاتا ہے، اس کے نغمے، اس کے فیصلے، اور اس کی صدائیں کن فیکون کے عکس کا تاثر پیش کرتے ہیں۔

اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے اقبال نے اسرار خودی میں ایک واقع بیان کیا ہے کہ حضرت بو علی قلندر کا ایک درویش بازار جا رہا تھا کہ اس وقت شہر کے گورنر کی سواری آ رہی تھی۔ درویش استغراق میں تھا، راستے سے ہٹ نہ سکا اور گورنر کے چوابدار نے درویش کے سر پر اپنا ڈنڈا مار کر اُس کا سر پھاڑ دیا۔ درویش چوٹ کھانے کے بعد واپس آیا اور اپنے شیخ بو علی قلندر سے فریاد کی۔ بظاہر ایک معمولی واقعہ تھا، لیکن بو علی قلندر نے بادشاہ کو خط لکھا کہ "اگر اس گورنر کو معزول نہ کیا گیا تو میں یہ سلطنت کسی اور کو دے دوں گا"۔ یہ الفاظ کسی بڑے لشکر یا طاقت ور فوج کے نہیں تھے بلکہ ایک عاشقِ خدا کی پختہ خودی کی جھلک تھے۔ بادشاہ لرز اٹھا، گورنر معزول ہوا اور نظام الدین اولیا کے ذریعے معافی کی درخواست پیش کی گئی۔

جب بادشاہ نے حضرت بو علی قلندر کی ناراضی دور کرنے اور معافی کی درخواست کی تو اُس پر حضرت نظام الدین اولیا نے اس کام کے لیے حضرت امیر خسرو کو بھیجا۔ اقبال بیان کرتے ہیں کہ امیر خسرو جن کے نغمے "کن فیکون" کے اسرار کے آئینہ دار تھے، جب حضرت بو علی قلندر کی خدمت میں

حاضر ہوئے تو انہوں ایک پر کیف محفلِ سماع برپا کی۔ انہی نغمات کی تاثیر اور اس روحانی سماع کے زیرِ اثر حضرت بو علی قلندر نے اپنا جلال ٹھنڈا کیا اور بادشاہ کو معاف فرما دیا۔

خسرو شیرین زبان رنگیں بیان
نغمہ ہایش از ضمیر کن فکان
فطرتش روشن مثال ماہتاب
گشت از بہر سفارت انتخاب
چنگ را پیش قلندر چون نواخت
از نوائے شیشہ ی جانش گداخت[۲۱]

شیریں زباں اور رنگیں بیاں شاعر خسرو کو جس کے نغمے کن فکاں کے اسرار کے آئینہ دار ہیں۔
جس کا باطن چاندنی کی طرح روشن اور نورانی ہے، سفارت کے لیے چنا گیا ہے۔
جب اس (خسرو) نے قلندر کے سامنے ستار پر نغمہ چھیڑا تو اس نغمے سے (قلندر) کی جان کا شیشہ پگھل گیا۔

اقبال اس حقیقت کو اجاگر کر رہے ہیں کہ تخلیق کا عمل مسلسل جاری ہے، ہر آن نیا ظہور ہے، گویا ''کُن فیکون'' کا فیض جاری و ساری ہے۔ اقبال کے ہاں ''کُن فَیَکُون'' محض الٰہی قدرت کا مظہر نہیں، بلکہ انسانی روح کی تخلیقی وسعتوں کی علامت ہے۔ علامہ اقبال کا تصورِ ''کُن فَیَکُون'' عملی و تہذیبی ارتقاء کی دعوت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان خود کو پہچانے، اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لائے اور خدا کے نائب کی حیثیت سے تخلیقِ نو میں حصہ لے۔ ان کے نزدیک یہی انسان کی معراج ہے۔

ہر دو تقدیر جہان کاف و نون
حرکت از لا زاید از الا سکون[۲۲]

اقبال یہاں ''کاف و نون'' یعنی ''کُن'' کی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں۔ کائنات کی تقدیر ان دو اجزاء پر قائم ہے۔

''لا'' حرکت ہے یعنی باطل کا انکار، جمود کو توڑنا، ''اِلّا'' سکون ہے یعنی حق کا اثبات، استحکام، اور نئی تخلیق کو دوام بخشنا۔ یوں ''کن فیکون'' میں ایک طرف انکار کی قوت (حرکت) ہے اور دوسری طرف اثبات کا جمال (سکون)۔ یہ دونوں مل کر کائنات کی تخلیقی تقدیر کو تشکیل دیتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک

زندگی صرف سکون یا صرف حرکت سے آگے نہیں بڑھ سکتی؛ اصل ارتقاء انہی دونوں کے امتزاج سے ہے۔

تا نہ رمز لا الہ آید بدست
بندِ غیر اللہ را نتوان شکست [۲۳]

جب تک انسان "لا الہ" کی رمز نہیں پالیتا، وہ غیر اللہ کے بندھنوں کو نہیں توڑ سکتا۔

یہاں "لا" نفی ہے، انسان ہر جھوٹے خدا، طاقت اور فرسودہ نظام کو رد کرتا ہے۔ اور "اِلّا اللہ" اثبات ہے، صرف اللہ کی حاکمیت اور حقیقی آزادی کا اعلان۔

انا الحق اور کن فیکون

جو قوم عمل اور تخلیق میں کبھی تھکتی نہ ہو، جس کے لئے سستی اور غفلت حرام ہو اور جس کا وجود کا سوز و گداز سے شعلہ بنا ہوا ہو۔ ایسی قوم کے سامنے دنیاوی معیارات اور مادی قدریں خس و خاشاک کی مانند بے حیثیت رہ جاتے ہیں۔ اس کے افراد کی ہمت اور جرات اتنی بلند ہو جاتی ہے کہ وہ انا الحق کی عملی تشریح بن جاتے ہیں۔

اقبال بیان کرتے ہیں کہ جب ایک فرد انا الحق کہتا ہے تو یہ محض ایک ذاتی کیفیت ہوتی ہے ایسے فرد کو منصور حلاج کی طرح سولی پر چڑھایا جاتا ہے۔ لیکن اگر یہی کیفیت ایک قوم کو نصیب ہو جائے تو پھر ایسی قوم کے لئے انا الحق کہنا بغاوت نہیں بلکہ اس کے اجتماعی ایمان اور عشقِ الٰہی کا مظہر ہے۔ جو قربانی کے خون سے سینچی گئی ہو، جس کے شہیدوں کے لہو سے اس کی ملت کے درخت کی ہر شاخ تر ہو، پھر ان کا ہر فیصلہ، ہر ارادہ اور ہر قول اس قوت کا حامل ہو جاتا ہے کہ ان کے کن پر فیکون مرتب ہوتا ہے۔ گویا ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر حرف محض لفظ نہیں بلکہ تخلیقی اثر رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ کی مشیت کے ساتھ ہم آہنگ ہو چکے ہوتے ہیں۔

اقبال کے نزدیک یہ وہی امت ہے جو دیگر امتوں میں اعلیٰ مقام رکھتی ہے، جو دونوں جہانوں کی پیشوا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو کبھی تخلیق و ایجاد سے باز نہیں آتی اور جس کے افراد کی پرواز اتنی بلند ہوتی ہے کہ فلک کی وسعتیں بھی اس کے سامنے محدود نظر آتی ہیں۔

یوں اقبال بتاتے ہیں کہ اگر کوئی قوم انا الحق کے مقام پر پہنچ جائے تو اس کا ہر قول اور ارادہ کائنات کی تخلیقی قوتوں سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور وہ امت خلیفۃ اللہ فی الارض بن کر زمین پر اللہ کی مرضی کی

مظہر بن جاتی ہے۔ یہی وہ کیفیت ہے کہ جس قوم کا کن، فیکون بن جاتا ہے۔ جب ایک قوم عشق اور خودی کی آگ سے جل کر "انا الحق" کے مقام پر پہنچتی ہے تو وہ "کن فیکون" کی قوت سے معمور ہو جاتی ہے۔

انا الحق جز مقام کبریا نیست
سزاے او چلیپا ہست ما نیست
کند شرح انا الحق ہمت او
پے ہر کن کہ می گوید یکون است

اقبال ایسی قوم کے ہونٹوں سے نکلا ہوا ہر "کن" حقیقت بن جاتا ہے۔ یہ دراصل تخلیقی اور انقلابی قوت کی انتہا ہے۔

مہ و انجم گرفتار کمندش
بدست اوست تقدیر زمانہ

جب قوم انا الحق کے مقام پر پہنچتی ہے تو چاند وستارے بھی اس کی کمند میں آ جاتے ہیں۔ گویا زمانے کی تقدیر اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ یہ وہی "کُن" کی قوت ہے جو انسان کو تاریخ ساز بنا دیتی ہے۔

اگر خواہی ثمر از شاخ منصور
بہ دل لا غالب الا اللہ فروریز[۲۴]

اقبال کے نزدیک منصور کی شاخ سے پھل حاصل کرنے کے لیے دل میں "لا غالب الا اللہ" کا یقین راسخ ہونا چاہیے۔ یعنی کن فیکون کی قوت اسی قلبی ایمان سے پھوٹتی ہے۔ فرد کی باطنی بیداری اور قوتِ خودی، جو "کن فیکون" کا سرچشمہ ہے۔ جب ایک ملت اس خودی اور عشق کے مقام پر پہنچتی ہے تو وہ تاریخ کے دھارے کو موڑ دیتی ہے اور باذن اللہ اس کے "کن" کے جواب میں "فیکون" ظاہر ہوتا ہے۔ یوں اقبال کا پیغام یہ ہے کہ کن فیکون صرف ایک الٰہی حکم ہی نہیں بلکہ ایک تخلیقی اصول ہے، جو خودی سے آشنا انسان اور ایمان سے لبریز امت کو قدرتی اور تاریخی سطح پر انقلاب برپا کرنے کی قوت عطا کرتا ہے۔

حاصلاتِ تحقیق

جب انسان اپنی خودی کو بیدار کرتا ہے تو اس کے "ہنگامے" (تخلیقی کارنامے، ایجادات، انقلابات) اسی "کن فیکون" کے تسلسل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ "کن فیکون" صرف کائنات کے آغاز میں ظاہر ہوا ایک حکم نہیں، بلکہ یہ ایک جاری و ساری تخلیقی عمل ہے۔ یہی اوصاف انسان کو وہ قوت عطا کرتے ہیں جو "کُن فیَکُون" کی تخلیقی طاقت سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ اقبال مال و دولت (قارون کی طرح) یا عقلِ مجرد (افلاطون کی طرح) کو حقیقی کمال نہیں سمجھتے، بلکہ عشق، عمل اور خودی کی بلندی کو اصل سرمایہ قرار دیتے ہیں۔

وہ انسان کو بھی اس مقام پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس کا 'کُن' یعنی اس کا پختہ ارادہ اور مضبوط خودی "فیَکُون" یعنی کامیابی، تخلیق اور عظیم کارنامے میں تبدیل ہو۔ جب خودی اپنے عروج پر پہنچتی ہے تو اس کے ارادے تخلیقی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس کی سوچیں، اس کے خواب اور اس کے عزائم حقیقت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ یہی اس کے شخصی 'کُن' کا 'فیَکُون' ہو جانا ہے

اس قرآنی آیت کی روشنی میں فکر اقبال کا یہ گوشہ واضح ہوتا ہے کہ انسان کے اندر بھی وہ تخلیقی روح موجود ہے جو اسے نئے افکار اور نئی ایجادات کی جانب مائل کرتی ہے۔ چونکہ اس کائنات میں حرکت، تخلیق اور ایجاد، کا اصول کارفرما ہے، اس لیے قدرتی طور پر، جو شخص ان صفات سہ گانہ کا مظہر ہو گا، یعنی جس شخص کی ذات سے ان خوبیوں کا اظہار ہو گا، وہ اس دنیا میں بنی آدم کی نظروں میں محبوب اور محترم ہو گا اور ہر زمانہ میں، ہر جگہ اہل زمانہ، اس کی عزت، اتباع اور تقلید کرتے ہیں۔

حوالہ جات و حواشی

1. اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳، ص ۲۳۹
2. ایضاً، ص ۱۴۱
3. ایضاً، ص ۱۰۰۰
4. Iqbal, Allama, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2025, p.10

---

۵ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳، ص ۴۶۳

۶ ایضاً، ص ۱۷

۷ تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ، صد شعر اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۴، ص ۵۳

۸ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳، ص ۵۸۰

۹ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸، ص ۲۸۷

۱۰ خانلری، پرویز ناتل، دیوانِ حافظ جلد دوم، انتشاراتِ خوارزمی، ۱۹۹۶، ص ۱۰۳۶

۱۱ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸، ص ۳۰۴

12. Iqbal, Allama, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2025, p.157

13. Iqbal, Allama, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2025, p.40

۱۴ رومی، مولوی جلال الدین رومی، کلیاتِ شمس (دیوان کبیر)، بہ تصحیحات و حواشی بدیع الزمان فروزانفر، جلد اوّل، تہران، انتشاراتِ امیر کبیر، ۱۹۹۹ء ص ۲۴۳

۱۵ رومی، مولوی جلال الدین، مثنوی معنوی، بہ تصحیح و اہتمام رینولد الین نکلسن، لیدن، مطبع بلاندو، ۱۹۳۳ء، ص ۱۵۲

16. Iqbal, Allama, *The Reconstruction of Religious Thought in Islam*, Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 2025, p.10

۱۷ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳، ص ۴۳۷

۱۸ ایضاً، ص ۴۶۷

۱۹ ایضاً، ص ۴۹

۲۰ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال اردو، اقبال، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸، ص ۳۶۴

۲۱ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۳، ص ۲۷

۲۲ ایضاً، ص ۸۱۳

۲۳ ایضاً، ص ۸۱۳

۲۴ ایضاً، ص ۹۵۳